

سرمایہ و محنت

شوکت سبزواری

تیرہ سو سال پہلے، جب اسلام کی آواز جزیرہ نمائے عرب سے بلند ہوئی، سرمایہ و محنت میں کوئی کش مکش نہ تھی اور نہ وہ عہدش ہی تھا جس کا ذکر اقبالؒ نے کیا ہے۔ ع

اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش

لیکن شارع کی نظر سے مادی دنیا کا یہ خوابیدہ فتنہ او جھل نہ تھا، جس نے صدیوں بعد مغرب سے سر اٹھایا۔ وہ جانتا تھا کہ سرمایہ و محنت کی شورا انگیز و فتنہ خیز آویزش، تر آب طوفانی لہروں کی طرح، خاموشی کے ساتھ پردوش پا رہی ہے۔ اس لئے اس کا امکان تو نہ تھا کہ جو چیز قوت سے فعل میں نہیں آئی، اور ہنوز پردہٴ خفا میں ہے، اس کی شکون کو کھولا جاتا، اور فتنہ خوابیدہ کا بیداری سے پہلے ہی انفساد کر دیا جاتا۔ ایمائی انداز میں اس کی طرف صرف معنی خیز اشارے کئے جاسکتے تھے اور بس۔ سو جہاں تک میں غور کرتا ہوں قرآن کریم میں سرمایہ و محنت سے متعلق ہمیں بہت سے معنی خیز لیکن مخفی اشارے ملتے ہیں۔ اگر ہم تعمق سے کام لیں اور ان مخفی اشاروں کو اجاگر کرنے کی کوشش کریں تو اس دشوار مسئلے کا ایک سادہ اور آسان سا اسلامی حل نکل سکتا ہے۔

لیکن ان اشاروں کو اجاگر کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ہو گا کہ سرمایہ سے کیا مراد ہے؟ جدید معاشیات میں سرمایہ کسے کہتے ہیں۔ سرمایہ معاشیات کی اصطلاح ہے اس لئے سب سے پہلے اس کے اس اصطلاحی مفہوم کی تعین کرنی ہوگی۔ اس کے بعد ہی قرآنی اشاروں پر نظر کر کے، انہیں اجاگر کیا جاسکتا ہے۔

سرمایہ ویسے تو بہت پرانا لفظ ہے۔ فارسی (اندر) میں عربی سے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن

اصطلاح کے اعتبار سے یہ کچھ زیادہ پُرانا نہیں۔ متواتر عرصہ ہوا کہ ہم نے انگریزی لفظ CAPITAL کی جگہ اور اس کے معنوں میں اسے استعمال کرنا شروع کیا ہے۔ اس کی تشریح کے لئے ہمیں لفظ ”کیپٹل“ کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور دیکھنا ہوگا کہ معاشیات میں اس کے کیا معنی ہیں اور کب یہ لفظ اپنے ان معنوں میں استعمال ہوا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا نے اس لفظ کے اصطلاحی معنوں پر تفصیل سے بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ پیدا کردہ دولت جو مزید پیداوار کے لئے استعمال میں آئے CAPITAL ہے۔ ”PRODUCED WEALTH USED FOR FURTHER PRODUCTION“

(جلد ۴ ص ۷۹۹)۔ اس سے معلوم ہوا کہ سرمایہ کے دو بنیادی عناصر ہیں جن کی بنا پر سرمایہ کو سرمایہ کہا گیا۔ ۱۔ پیدا کردہ دولت۔ ۲۔ مزید پیدا کرنے کا وسیلہ۔ جامع تاریخی لغت ”آکسفورڈ ڈکشنری“ کی تشریح سے پتا چلا کہ پیدا کردہ کے معنی ہیں ذخیرہ کردہ، جسے مزید دولت پیدا کرنے کے لئے جمع کیا جائے۔

”ACCUMULATED WEALTH EMPLOYED REPRODUCTIVELY“

یہ لفظ ان معنوں میں سب سے پہلے سترہویں صدی عیسوی میں (۱۶۳۰ء کے ملک بھاگ) استعمال ہوا۔ یعنی اس زمانے میں جب یورپ میں صنعت کاری کی داغ بیل پڑنی شروع ہوئی اور دولت نے دولت کو جنم دینے کا ڈول ڈالا۔ اس کے تقریباً ایک صدی بعد انگلستان میں صنعتی انقلاب آیا جس نے پیداواری دنیا کی کایا پلٹ کر رکھ دی، اور سرمایہ کو پیش از پیش اہمیت دے کر انسانی معاشرے کا رخ سرمایہ دارانہ معیشت کی طرف موڑا۔

پیداوار یا کاروبار کی چار وحدتیں (UNITS) ہیں جن کا ذکر ماہرین معاشیات نے کیا ہے۔ (۱) زمین، (۲) محنت، (۳) سرمایہ، (۴) تنظیم۔ ان میں سرمایہ کمزور تر پیداواری وحدت ہے۔ ماہرین اس کے مقابلے میں محنت کو اہم، لا بدی یعنی ناگزیر بتاتے ہیں۔ صحیح تناظر میں رکھنے اور اسلامی نقطہ نگاہ سے ان کی قدر و قیمت متعین کرنے کے لئے کیا یہ ضروری نہ ہوگا کہ بچے ہاتھوں محنت کے جدید تر اصطلاحی مفہم سے بھی آگاہی حاصل کر لی جائے۔ اس کے قدیم تر مفہم سے تو بہر حال ہم آگاہ ہی ہیں۔

سرمایہ کی طرح محنت بھی ترجمہ ہی ہے ایک انگریزی لفظ LABOUR کا، اس لئے اس کے

مفہوم کے تعین کے لئے بھی اس انگریزی لفظ کے اصطلاحی مفہوم کا کھوج لگانا پڑے گا۔ "لیبر" کے اصلی معنی تو ہیں انسانی توانائی (HUMAN ENERGY) جو شعوری طور سے کسی مقصد مثلاً تحصیل معاش کے لئے صرف ہو، لیکن اس سے بھونڈ مجاز وہ افراد مراد لئے جاتے ہیں جو اپنی ذہنی صلاحیتیں ان خصوصیت کے ساتھ جسمانی قوتیں، پیدائشی عمل پر قرار رکھنے کے لئے وقف کر چکے ہیں۔ اس دوسرے مفہوم کے لئے ہم اردو میں عام طور سے محنت کش کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

سر

آئیے اب اس تہید کے پس منظر میں قرآنی اشاروں کو روشن کرنے کی کوشش کریں۔ سب سے پہلے سرمایہ کو لیجئے۔ قرآن حکیم نے سرمایہ کے قدیم مفہوم میں "مال" کا لفظ استعمال کیا ہے جو "مے ل" یعنی جھکاؤ سے ماخوذ ہے۔ امام راعب اصفہانی تو "مائل الی الفناء" کے معنی لے کر "مال" کے معنی فانی و زائل بتاتے ہیں۔

"وَالْمَالُ سَيِّئٌ بِذَلِكَ لَكُونَهُ مَائِلًا اِبْدًا وَزَائِلًا"

میں سمجھتا ہوں مال کو اس لئے مال کہا گیا کہ انسان سداً حاجت یعنی ابتدائی بشری حاجت براری کے لئے مال کی طرف جھکتا اور اس کے حصول کے لئے اپنی توانائیاں صرف کرتا رہا ہے۔ قرآن کریم نے مال کی اس خصوصیت کی طرف ذیل کی آیت میں اشارہ کیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے:-

جَبَّحَ مَالًا وَعَدَدًا۔ انسان نے دولت کو سینا اور گن گن کر رکھا۔

کسی چیز کی مقدار پر نظر رکھنا اور اسے شمار کرتے رہنا علامت ہے اس بات کی کہ اس کی روز افزونی پیش نہاد خاطر ہے۔

مالی و مال سرمایہ حیات ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:-

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ۔ بے شبہ دنیاوی زندگی عبارت ہے لہو و لعب،

تفاخر و تنک و تماشائی الاموال و ادلاو۔ زینت، باجی تفاخر اور مال و اولاد کے بھٹارے۔

در زینت و زینت حیات بھی ہے:-

الْمَالُ وَالْمَنۡوَنُ زِينَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ مال و اولاد کو زینت حیات و دنیاوی

زینت ہے۔

لیکن قرآن اسے پسند نہیں کرتا کہ مال کو جمع کیا جائے اور مالی کے ذریعے سے مالی کی تحصیل کی جائے۔ سرمایہ کے ان دو عناصر کا تہید میں ذکر کیا گیا تھا۔ اسلام نے کھلم کھلا ان دونوں کی نفی کی ہے۔ دولت اسلام میں ذخیرہ کرنے کے لئے نہیں ستر حاجت کے لئے ہے، کائی کے لئے نہیں حصولِ آخرت کے لئے ہے۔ زندہ رہنے کے لئے دولت حاصل کی جاتی ہے۔ دولت حاصل کرنے کے لئے زندگی بسر نہیں کی جاتی۔

قرآن کریم نے ایک طرف تو زائد از ضرورت دولت کے خرچ کرنے کا رجبے آسانی سے خرچ کیا جاسکے (امر فرمایا ہے۔

یَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ، قُلْ ،
یہ آپ سے پوچھتے ہیں وہ کیا خرچ کریں۔ آپ
الغفر۔ کہہ دیجئے جو تمہاری ضرورت سے زائد ہو (اور
جسے تم آسانی سے خرچ کر سکو)۔

دوسری طرف اکتنا یعنی ذخیرہ کرنے پر وعید فرمائی ہے۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ
وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ۔
جو لوگ سونے چاندی کو ذخیرہ کرتے ہیں اور لاوا
خلاف میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک
عذاب کی خبر دے دیجئے۔

دولت جمع ہو کر ہی مزید دولت پیدا کرنے کا سبب بن سکتی تھی، شاید اسی لئے اسلام نے
گوارا نہ کیا کہ دولت جمع کی جائے، اور ایک مقام پر تو صراحت کے ساتھ یہ بھی فرما دیا گیا کہ دولت
کو کسی ایک جگہ جم کر یا گھر کر نہیں رہنا چاہئے۔

كَيْ لَا يَكُونَ دَوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ
تاکہ مال امیروں ہی میں گردش کرتا
منکم۔ نہ رہے۔

دولت کی پیداواری حیثیت بھی اسلام میں بڑی حد تک مشتبہ ہے۔ آیت ”بَا“ اس سلسلے
میں ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ کفار کہا کرتے تھے کہ یو پار اور ربا میں کوئی فرق نہیں۔

انما البيع مثل الربوا۔ یو پار بھی تو ربا ہی کی طرح ہے۔

یو پار منفعت بخش ہے، اور سودی کا دوبار بھی۔ قرآن کریم نے یو پار اور سودی کا دوبار میں فرق

کہتے ہوئے فرمایا :-

احلّ الله البيع وحرم الربوا۔ اللہ نے بیوپار کو حلال اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے۔
 بیوپار اور سودی کاروبار میں فرق ہے۔ بیوپار کی منفعت مبنی ہے کسب و محنت پر اس لئے حلال اور
 طیب ہے۔ سودی کاروبار کا تعلق سرمایہ اور اس کی پیلودار سے ہے اس لئے ناروا اور حرام ہے۔
 محنت سے تیار کی ہوئی چیز کا تبادلہ بیوپار ہے۔ روپیہ سے روپیہ کا تبادلہ سودی کاروبار۔ چیز کا روپیہ
 سے تبادلہ ہو سکتا ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں، لیکن روپیہ سے روپیہ کے بدلنے کی اجازت نہیں۔
 اس سے مال کی محبت دل میں گھر کرتی ہے۔

۴

آئیے اب محنت کو لیں۔ قرآن کریم نے محنت کے لئے ”کسب“ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی
 ہیں طلب و جستجو۔ لیکن عرف عام میں، جیسا کہ سان العرب اور مجمع البحار میں ہے، روزی اور روزگار
 کی طلب کا نام کسب ہے۔

”واکسب الطلب والسعی فی طلب الرزق والمعیشة“

اپنی روزی کی طلب ہو یا دوسرے کی روزی کی۔ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ ”کسب“ اور
 ”اکتساب“ میں فرق ہے۔ ”اکتساب“ اپنے لئے ہوتا ہے اور ”کسب“ اپنے لئے بھی ہوتا ہے اور دوسروں
 کے لئے بھی۔ شاید اسی لئے کسب کی پیداواری حیثیت واضح کرنے کے لئے قرآن کریم نے خاص طور
 سے اکتساب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے :-

للمرءال نصیب مما اکتسبوا وللنساء
 نصیب مما اکتسبن۔ مردوں کو اس میں سے ملے گا جو انہوں نے کمایا اور
 عورتوں کو اس میں سے جس کا انہوں نے کسب کیا۔

مطلب یہ کہ انسان بجا طور سے صرف اس چیز کا استحقاق رکھتا ہے جسے اس نے اپنے دست و بازو سے
 کمایا ہو۔

اس آیت کے عام معنی مراد میں تو اس سے بیک وقت دو نتیجے برآمد ہوں گے :-

اول یہ کہ پیداواری وحدت دراصل کسب یعنی عمل ہے۔

دوم یہ کہ انسان صرف اس چیز کا مستحق ہے جس کو اس نے کمایا اور اپنے عمل سے حاصل کیا ہو۔

پیداوار کا اصل ذریعہ سرمایہ نہیں جو اپنی جگہ خود ایک پیداوار ہے، کسب اور عمل پیداوار کا ذریعہ ہے۔ اس کی روشنی میں حضورؐ کے اس فرمان پر نظر کی جائے :-

إِنَّ أَطْيَبَ مَا يَأْكُلُ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهِ - سب سے زیادہ پاک اور حلال معذی انسان کی اپنی
إِنَّ وَلَدَهُ مِنْ كَسْبِهِ - (صحیح البخاری ج ۳، ص ۲۸۱) کمائی ہے اور اس کا بیٹا بھی تو اس کی کمائی ہی ہے۔

تو حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے حضورؐ یہ فرمان چاہتے ہیں کہ ہر شخص کا فرض ہے کہ عام پیداوار میں حصہ لے اور اس بارے میں اپنا کردار ادا کرے۔ ضعیف و ناتوان البتہ اپنی اولاد کی محنت پر تکیہ کر سکتا ہے اس لئے کہ اس کی اولاد کی محنت خود اس کی اپنی محنت ہے۔

اس کی وضاحت بھی حضورؐ ہی کے ایک فرمان سے ہوتی ہے۔ آپؐ سے دریافت کیا گیا :-

أَتَى الْكَسْبُ أَطْيَبُ يَا رَسُولَ اللَّهِ - حضورؐ! پاک ترین روزی کون سی ہے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا :-

عَمَلُ الرَّجُلِ بَعِيدًا - انسان کی اپنی گاڑھے پسینے کی کمائی۔

ایک طرف تو مال و دولت کو بیچ قرار دیا گیا اور اس کی جگہ آدمی کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا گیا :-

وَرَحْمَةُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ - خدا کی رحمت مال و دولت کی جگہ آدمی سے بہت

بہتر ہے۔

دوسری طرف انسان کو محنت اور کسب کی ترغیب دلائی گئی اور اس پر اس کی مستائش کی گئی۔

یہ اس امر کی علامت ہے کہ پیداواری وحدت اسلام میں محنت ہے یا کم سے کم برتر اور بہتر وحدت

محنت ہے۔ محنت اہم ہی نہیں ناگزیر بھی ہے۔